تبصرہ کتب

کتاب : شاہراہ آزادی انڈیا ایکٹ، پس منظر، عوامل اور تجزیہ

مصنف : ڈاکٹر وحید احمد

مترجم : ذاکر اعجاز

صفحات : ۴۲۹ (بشمول ضمیمہ جات و سوانحی اشاریہ)

ناشر : قائد اعظم اکیڈمی

سن طباعت : ۱۹۹۰ء

قیمت اعلیٰ ایڈیشن : تین سو روپے

عام ایڈیشن : دو سو روپے۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ برصغیر پاک و ہند کی آئینی تاریخ کی انتہائی اہم دستاویز ہے۔ برصغیر جہاں مذہب، زبان، رنگ و نسل اور دیگر کئی لحاظ سے مختلف لوگ بستے ہیں وہاں ایسی آئینی دستاویز تیار کرنا جس پر ان مختلف مفادات و نظریات کے لوگ متفق ہوں، ناممکن ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ وہ دستاویز ہے جس کو نہ صرف ۱۹۳۵ میں برصغیر کے اکثر سیاسی رہنماؤں نے قبول کیا بلکہ آگے چل کر پاکستان اور بھارت کی آزادی کے لئے بھی یہی دستاویز آئینی بنیاد بنی ۔ یہی نہیں بلکہ پاکستان اور بھارت میں آزادی کے بعد جو مختلف آئین بنے ان کا ماخذ و مصدر بھی زیادہ تر یہی دستاویز رہی ۔ اس اہمیت کے پیش نظر اس دستاویز کے تفصیلی مطالعے اور تجزیے کی یقیناً ضرورت تھی۔

جناب وحید احمد نے ۱۹۶۹ میں اس دستاویز کو کیمبرج یونیورسٹی میں اپنے ڈاکٹریٹ کے تحقیقی مقالے کا موضوع بنایا اور بقول پروفیسر پرسیول اسپیر "یہ مطالعہ اصلی اسناد و شواہد کے ایک کثیر سرمایے پر مبنی ہے" ۔ انہوں نے اس عہد کی اہم شخصیات کے ذاتی اور سرکاری کاغذات کا مطالعہ

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

کیا۔ انہوں نے ان انگریزی سرکاری افسروں سے تبادلہ خیالات بھی کیا جو اس تاریخ ساز عہد اور دستاویز سے کسی نہ کسی لحاظ سے تعلق رکھتے تھے۔ البتہ ہندوستانی شخصیات میں ڈاکٹر وحید صاحب نے صرف چودھری ظفراللہ خان کا ذکر کیا ہے جنھوں نے "مجھے ایسی گراں قدر معلومات سے مستفید فرمایا جو دستاویزات کے سرمایے سے میسر نہیں ہو سکتی تھیں" (ص ۲۰)۔

کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں تاریخی پس منظر' دوسرے میں لارڈ ارون کے عہد (۱۹۲۶۔ ۱۹۲۷ اور ۱۹۲۸۔۱۹۳۲) کا جائزہ' تیسرے میں والیان ریاست اور کل ہند وفاق کا تصور' چوتھے میں گول میز کانفرنس (۱۹۳۰۔۱۹۳۱)' پانچویں میں فرقہ وارانہ مسئلہ' چھٹے میں پارلیمانی اصلاحات سے بحث کے بعد' ساتویں میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کا سیاسی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد تین ضمیمہ جات میں وائسرائے ارون کا نوٹ' سیموئیل ہور (وزیر ہند اور وزیر خارجہ) کی ایک خفیہ یاد داشت ۱۹۳۰ اور برطانوی سیاستدانوں کے مشترکہ خط کا متن پیش کئے گئے ہیں۔ پھر ۶۸ اہم شخصیات کا سوانحی اشاریہ دیا گیا ہے' اور منتخب کتابیات (صفحات ۳۹۶۔۴۱۰) کے بعد آخر میں عمومی اشاریہ دیا گیا ہے۔

وحید صاحب کی تحقیقات کا ملخص یہ ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ جدید ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا آغاز مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات سے ہوا لیکن بعد کے وزرائے برطانیہ نے نہ صرف ان میں عدم دلچسپی کا اظہار کیا بلکہ اس بات کی تردید کی کہ ہندوستان کو خود مختار نو آبادی کا درجہ دیا جا رہا ہے۔ ہندوستانی رہنماؤں کے دباؤ کے نتیجے میں مذاکرات کا دور شروع ہوا۔ وحید صاحب کی تحقیق کے مطابق اس سلسلے میں لارڈ ارون کا کردار مثبت رہا کیونکہ وہ ہندوستان کے حالات سے واقف بھی تھا اور ہمدردی بھی رکھتا تھا۔ اس کے مقابلے میں سیموئیل ہور جس کے ہاتھوں یہ پالیسی تکمیل کو پہنچی یہ احساسات نہیں رکھتا تھا۔ تاہم اس کی کوششوں سے بالآخر اصلاحات کے اس عمل نے قانونی جامہ پہنا۔

ہندوستان میں سیاسی نظام کی تشکیل میں سب سے اہم مذہبی اقلیتوں کا مسئلہ تھا جنہیں ڈاکٹر وحید "فرقہ وارانہ" مسئلہ بتاتے ہیں۔ یہ مسئلہ ۱۹۳۵ کے ایکٹ سے حل نہیں ہوا۔ اس کی ڈاکٹر صاحب یہ وجہ بتاتے ہیں کہ ایکٹ وضع کرنے والوں نے برطانوی مفادات کی حفاظت کرتے

ہوئے اس ایکٹ میں بھی برطانوی پارلیمنٹ کو ہی حتمی اختیارات دیئے تھے اور اگرچہ صوبائی خود مختاری کا اصول اپنایا تھا اور مقامی حکومت کے لئے ادارے قائم کئے تھے لیکن برطانوی برتری قائم رکھنے کے لئے گورنر جنرل کو خصوصی اختیارات دے کر اس کی نفی کر دی تھی ۔ اس کے علاوہ برطانیہ کے سیاسی رہنماؤں کا ہندوستانی مذاہب کے بارے میں منفی رویہ بھی ہندوستان کے سیاسی اتحاد کو پارہ پارہ کئے ہوئے تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے رہنما قائداعظم محمد علی جناح جو ۱۹۲۴ سے ۱۹۳۰ تک ہندوستانی سیاست میں ہندو مسلم اتحاد اور متحدہ قومیت کے قائل رہے تھے ۱۹۴۰ میں مایوس ہو کر علیحدگی پسندوں کے ساتھ جا ملے۔

ڈاکٹر وحید احمد صاحب نے پوری کتاب میں بڑے التزام کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناح کو صرف "جناح" لکھا ہے۔ اگرچہ قاری کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ جناح سے مراد کون ہے لیکن تحقیق و تصنیف کے آداب کے لحاظ سے کم از کم ایک مرتبہ ان کا پورا نام لکھنا ضروری تھا۔ پورا نام صرف سوانحی اشاریے میں مذکور ہوا ہے (صفحہ ۳۸۳) اور وہاں ان کے لقب قائداعظم کا ذکر اس وضاحت کے ساتھ ہے کہ " تحریک پاکستان کے قائداعظم ۱۹۴۰ تا ۱۹۴۷"۔

اس جملہ معترضہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ وحید احمد صاحب کا پورا مطالعہ ان کے ماخذ کے نقطہ نظر سے متاثر ہے یعنی انہوں نے پورے مسئلے کو برطانوی نقطہ نظر سے دیکھا اور اسی پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اس سیاسی مباحثے کے دوسرے فریقوں یعنی کانگریس اور مسلم لیگ کا نقطہ نظر سامنے نہیں رکھا۔ اگرچہ انہوں نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ اس کتاب کا مقصد ہندوستان کی مسلم امت اور ان کے رہنماؤں کی کارکردگی درج کرنا نہیں ہے تاہم اتنی اہم سیاسی دستاویز کا تجزیہ جس کے متاثرین میں برطانیہ کے باشندے نہیں بلکہ برصغیر کے ہندو اور مسلمان دونوں تھے، ہندو اور مسلم رہنماؤں کے نقطہ ہائے نظر کے مطالعے کے بغیر کیسے کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً جب سیاسی تحریکوں کا ارتقا اس نہج پر ہو کہ قائداعظم جیسی غیر متزلزل شخصیت بھی اپنی سوچ بدلنے پر مجبور ہو جائے۔

ہمارے اس تجزیے کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ انہوں نے ہندو مسلم مسئلے کو "فرقہ وارانہ" قرار دے کر اسی زاویے سے دیکھا ہے جس سے برطانوی حکمران دیکھ رہے تھے۔

اس سطحی نقطہ نظر کی وجہ سے ہندو مسلم سیاسی رویوں کو کبھی گیرائی اور گہرائی کے ساتھ سمجھا نہ جا سکا۔ اس کی ایک مثال ڈاکٹر وحید صاحب کا یہ تجزیہ ہے کہ لندن کانفرنس کے بعد "مسلمانوں کی قیادت جناح اور شفیع جیسے اعتدال پسند رہنماؤں کے ہاتھ سے نکل گئی اور اس کی وجہ سے فرقہ وارانہ تصفیے کے امکانات تاریک ہو گئے۔ اب مسلمانوں کی قیادت کی باگ ڈور سخت گیر ہاتھوں میں پہنچ گئی" (ص۲۲۶)۔ وہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کو انہی واقعات کا نتیجہ بتاتے ہیں جس کی بدولت مسلمانوں کے اندر علیحدگی پسندی کا رجحان بہت شدت سے پیدا ہوا۔

ایک ایسے ملک میں جس کی سیاسی وحدت کو قائم ہوئے زیادہ مدت نہیں گذری تھی اور جس میں مذہبی تقسیم کی جڑیں تاریخ اور ثقافت میں بہت گہری تھیں وہاں ایک ایسا وفاقی نظام جس میں مرکز کو خصوصی آئینی اختیارات اور تحفظات اس لئے دیے گئے ہوں کہ وہ برطانیہ کے استعماری مفادات کی حفاظت کر سکے، کیسے ممکن تھا اور صوبائی خود مختاری کیسے حاصل ہو سکتی تھی۔ ڈاکٹر وحید صاحب نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ وفاقی نظام صرف اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب اس کے عناصر ترکیبی پوری آزادی کے ساتھ مشترکہ مقاصد کے لئے باہم اتحاد قائم کریں۔ چونکہ اس وفاق کے عناصر ترکیبی مکمل طور پر آزاد نہیں تھے اور پھر نہ ان کے مقاصد مشترک تھے اور نہ اشتراک پر اتفاق تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ عناصر باہمی اتحاد کی بجائے باہمی افتراق کے قائل تھے۔ اس لئے یہ وفاق کیسے کامیاب ہو سکتا تھا۔ یہی نہیں پاکستان اور بھارت کے آزاد ہونے کے بعد بھی جب صورت حال وہی رہی تو ان دو آزاد ریاستوں میں بھی وفاق کا نظام کامیاب نہ ہو سکا۔ بلکہ پاکستان میں اسی مسئلے نے بنگلہ دیش کو جنم دیا۔ ابھی بھی یہ مسئلہ پوری طرح حل نہیں ہو سکا۔

ڈاکٹر وحید صاحب کو اس کا احساس ہے چنانچہ مقالے کی طباعت کے وقت وہ اس کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں کہ ان کے تحقیقی مقالے کی تکمیل اور اس کی اشاعت کے درمیانی وقفے میں بنگلہ دیش قائم ہو چکا ہے۔ لیکن نہ تحقیق کے دوران نہ اس کی اشاعت کے وقت وہ ان حقائق کو اپنے تجزیے میں شامل کر سکے۔

وحید صاحب نے یہ مقالہ ۱۹۶۹ میں مکمل کیا تھا اور کارواں بک ہاؤس لاہور سے ۱۹۷۹ میں

کسی ترمیم و اضافے کے بغیر

Road to Indian Freedom, The Formation of the Government of India Act 1935

کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ اب اسی کا اردو ترجمہ بغیر کسی ترمیم و اضافے کے شائع کیا گیا ہے۔ یہ غالباً گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ کا خصوصی مزاج ہے کہ جس طرح اس کے حامی اور مخالفین دونوں ۱۹۳۵ میں بھی اس کی خامیوں کا احساس رکھنے کے باوجود اس میں ترمیم و اضافہ نہ کر سکے' اسی طرح وحید صاحب نے بھی اس کی طباعت اور اردو ترجمے کے وقت مقالے میں کوئی ترمیم و اضافہ نہیں کیا۔ جیسا کہ ڈاکٹر وحید صاحب نے لکھا ہے کہ اگرچہ ڈاکٹریٹ کے مقالے کی تکمیل کو دس سال گذر چکے تھے اور بہت سے اہم واقعات رونما ہو چکے تھے لیکن انہوں نے ۱۹۷۹ میں اس مقالے کو من و عن شائع کیا تھا۔ پھر اردو ترجمے کے دیباچے (گذارشات) میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد بہت سا تاریخی مواد سامنے آیا ہے۔ پاکستان میں آل انڈیا مسلم لیگ پیپرز' قائداعظم پیپرز اور بھارت میں بھی مزید دستاویزات سامنے آئی ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے ان سے استفادہ نہیں کیا۔ اس کمی کا ڈاکٹر صاحب کو احساس ہے لیکن ان کے خیال میں کتاب کی ترتیب نو کی ضرورت نہیں البتہ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ یہ کمی اپنی نئی زیر ترتیب کتاب (قائداعظم محمد علی جناح کی سیاسی زندگی) میں پوری کر دیں گے۔

ہماری رائے میں "شاہراہ آزادی" پر نظرثانی کی ضرورت پھر بھی باقی رہے گی۔ ایک تو اس کے پس منظر کے ابواب کو نئے سرے سے لکھنے کی ضرورت ہے تاکہ نئی دستاویزات اور تحقیقات کی روشنی میں جو حقائق اور ہندو اور مسلم رہنماؤں کے جو نقطہ نظر سامنے آئے ہیں ان کا بھی احاطہ ہو سکے اور اس بات کا تجزیہ ہو سکے کہ یہ ایکٹ اتنا ناگزیر ہونے کے باوجود ناکام کیوں رہا۔ مزید برآں ایکٹ کے مزید تجزیے کی ضرورت ہے تاکہ اس کے آئینی اور سیاسی پہلوؤں کی مفصل وضاحت ہو سکے۔ اس وقت سات ابواب میں سے چھ پس منظر پر ہیں اور صرف ایک باب ایکٹ کے بارے میں ہے۔ کتاب کے اردو ترجمے کے ذیلی عنوان "پس منظر' عوامل اور تجزیہ" سے جہاں قاری یہ توقع قائم کرتا ہے کہ کتاب میں ایکٹ کا تجزیہ ملے گا وہاں کتاب کے مطالعے سے اس کی کمی کا احساس اور بھی قوی ہوتا ہے۔ انگریزی کتاب کا ذیلی عنوان "گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ کی تشکیل" پھر بھی مناسب تھا۔

اردو ترجمے کے بارے میں ڈاکٹر وحید صاحب نے وضاحت کی ہے کہ "اردو ترجمہ کی اشاعت کا فیصلہ قطعی طور پر ڈاکٹر وحید قریشی کاذاتی تھا"۔ محترم قریشی صاحب مقتدرہ قومی زبان کے صدر نشین تھے۔ تاہم مقتدرہ قومی زبان کی بجائے یہ ترجمہ قائداعظم اکادمی نے شائع کیا۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ اتنی دیدہ زیب طباعت قائداعظم اکادمی ہی میں ممکن تھی۔ تاہم ترجمے پر مقتدرہ کی چھاپ موجود ہے۔ اس کی مثالیں وہ عربی زدہ اصطلاحات ہیں جو غیر عربی لیکن اردو زبان میں معروف الفاظ کی موجودگی کے باوجود ترجمے میں استعمال ہوئیں۔ مثلاً مترجم نے نوآبادی کی بجائے "مستعمرہ"، بائیکاٹ کی جگہ "مقاطعہ"، قانون سازوں کی بجائے "واضعین قانون"، مشکل کی جگہ "تعویق" اور تکرار کی جگہ "تثنیے" کے علاوہ "انفعالی رضا" جیسے ادق اور غیر مروجہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ تاہم اسے ذاکر اعجاز صاحب (مترجم) کی عرب دوستی نہ سمجھا جائے کیونکہ انہوں نے پوری کتاب میں مستقل طور پر میعاد کو "معیاد" لکھا ہے اور اس کے علاوہ "بناء" اور محاذ آراء" کا املا اختیار کیا ہے۔ مقتدرہ کی خصوصی چھاپ اختصارات میں واضح طور پر نظر آتی ہے جہاں انگریزی کی تقلید میں الفاظ کے شروع کے حروف سے اختصارات بنائے گئے ہیں مثلاً مجموعہ کاغذات بٹلر کا مخفف م۔ ک۔ ب بنایا گیا ہے۔ اردو میں یہ طریقہ غیرمانوس ہے یا تو اختصار کے لئے کتاب کے عنوان کو مزید مختصر کیا جا سکتا تھا مثلاً "بٹلر" یا صرف "ب" کو رمز کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔

ترجمہ عام طور پر رواں اور قابل تحسین ہے۔ البتہ بعض مقامات پر ترجمہ واضح نہیں مثلاً "اسے کافی ماخذی مواد دستیاب نہیں جبکہ اس مواد کا وافر ذخیرہ موجودہ ہے۔ قدیم اور وسطانی عہد سے متعلق تقریباً سارا مواد چھانٹ کر معینہ مقدار میں علیحدہ کر دیا گیا ہے اور مطالعے کے لئے دستیاب ہے"۔ (ص ۱۹)

محمد خالد مسعود